(۱۰) تو اپنے پڑوسی کی بیوی کا لالچ نہ کرنا، نہ اس کے غلام اور اس کی لونڈی اور اس کے بیل اور اس کے گدھے کا اور نہ اپنے پڑوسی کی کسی اور چیز کا لالچ کرنا۔

بعضوں نے دسویں حکم کو نویں حکم میں شریک کر کے پہلے حکم کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے یعنی میرے حضور تو غیر کو معبود نہ بنانا، یہ پہلا حکم ہوا اور دوسرا حکم وہ ہے جس میں تراشی ہوئی مورت اور کسی چیز کی صورت بنانے کی ممانعت کی گئی ہے بہر حال یوں دس کا عدد پورا ہو جاتا ہے رہے قرآن کے دس احکام جو سورۂ بنی اسرائیل میں ایک ہی جگہ سلسلہ وار پائے جاتے ہیں وہ یہ ہیں :-

(۱) اور نہ بنانا اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو الہ (معبود) پھر تو بیٹھ رہے گا برا بن کر اور چھوڑا ہوا،

(۲) اور فیصلہ کیا تیرے پروردگار نے کہ نہ پوجنا کسی کو مگر اسی کو اور والدین (ماں باپ) کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اور اگر پیرانہ سری کی عمر تک ان دونوں میں کوئی ایک یا دونوں تیرے سامنے پہنچ جائیں تو ان کو اف بھی نہ کہنا، اور نہ ان کو جھڑکنا اور کیا کر ان سے شریفانہ گفتگو اور جھکا رکھ ان کے آگے خاکساری کے بازو، نیاز سے، اور کہہ اے پروردگار! ان پر رحم فرما جیسے پالا مجھے چھوٹا، تمہارا رب خوب جانتا ہے جو تمہارے جی میں ہے جو تم نیک ہو گے تو پلٹنے والوں کے لئے وہ بہت بڑا مرزگار ہے،

(۳) اور دو رشتہ داروں کو ان کا حق اور مسکین کو اور مسافر کو اور مت اڑا بکھیر کر بے شک اڑانے والے بھائی ہیں شیطانوں کے اور ہے شیطان اپنے پروردگار کا ناشکرا اور اپنے پروردگار کی مہربانی کی تلاش میں جس کی تجھے توقع ہو ان سے اگر تو توجہ پھیرے تو کر ان سے نرم گفتگو اور نہ رکھ بنا ہاتھ بندھا اپنی گردن کے ساتھ اور نہ کھول اس کو نرا کھولنا کہ بیٹھ رہے تو دھتکارا ہوا تھکا ہارا ور رب تیرا کشادہ کرتا ہے روزی جس کے لئے چاہے اور کستا ہے وہی اپنے بندوں پر اور ہے وہ اپنے بندوں کے حال سے باخبر دیکھنے والا۔

(۴) اور نہ مارنا اپنی اولاد کو ڈر سے مفلسی کے، ہم روزی دیتے ہیں ان کو اور تم کو بے شک ان کا

مارنا بڑی چوک ہے۔

(۵) اور پاس نہ جانا، زنا کے وہ ہے بے حیائی اور بری راہ۔

(۶) اور نہ مارنا اس جان کو جسے حرام ٹھرایا ہے اللہ نے مگر حق پر اور جو مارا جائے ظلم سے تو بخشا ہے ہم نے اس کے وارث کو اقتدار، پس نہ حد سے تجاوز کرے وہ قتل میں بے شک وہ مدد یافتہ ہے،

(۷) اور پاس نہ جانا یتیم کے مال کے مگر اسی طریقہ سے جو بہتر ہو جب تک وہ نہ پہنچ جائے اپنی جوانی کی حد تک اور پورا کرو عہد کو بے شک اس سے پوچھا جائے گا۔

(۸) اور پورا کرو پیمانے کو جب ناپو تم اور تولا کرو ٹھیک ترازو سے یہ بہتر ہے اور اچھا ہے انجام میں

(۹) اور نہ پیچھے پڑنا ایسی باتوں کے جن کا تجھے علم نہ ہو، بے شک شنوائی اور بینائی اور دل ہر ایک سے اس معاملہ میں پوچھا جائے گا۔

(۱۰) اور نہ چل زمین پر اتراتا تو ہرگز نہ پھاڑے گا زمین کو اور نہ پہنچے گا پہاڑوں تک لمبائی میں"

ظاہر ہے کہ احکام شمار میں دس ہیں جس وقت موسیٰ علیہ السلام کو یہ احکام دئے گئے تھے نہ اسی وقت یہ کہا گیا تھا کہ ان کی تعداد دس ہے اور نہ قرآن ہی میں دس کے عدد کی صراحت پائی جاتی ہے محض قیاس اور تخمینہ کی ایک بات ہے ورنہ تفصیلی اجزاء کے حساب سے دیکھا جائے تو دونوں کتابوں کے مندرجہ احکام کی تعداد دس سے زیادہ بڑھ جائے گی اور اجمال پیش نظر ہو تو یہ تعداد گھٹ بھی سکتی ہے بہرحال عددیت اور شمار کے مسئلہ کو چنداں اہمیت بھی نہیں ہے۔

توجہ کی مستحق اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ دونوں کتابوں کے ان احکام عشرہ میں بظاہر چند دفعات تو مشترک نظر آتے ہیں مثلاً توحید یعنی خالق تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے اسی طرح خون نہ کرنا زنا نہ کرنا والدین کا احترام تورات میں بھی ان کا حکم پایا جاتا ہے اور قرآن میں بھی ان کے سوا سبت کے منانے کا حکم اور خدا کا نام بے فائدہ نہ لینا قرآن کے احکام میں یہ دونوں دفعات نہیں شریک کئے گئے ہیں باقی باتیں توراۃ کی ایسی ہیں کہ بظاہر شاید قرآن میں نظر نہ آتی ہوں

لیکن معمولی تامل سے قرآنی کلیات کے نیچے تورات کے ان احکام کو ہم مندرج پا سکتے ہیں لیکن تورات کے دفعات میں اس کی گنجائش نہیں پائی جاتی۔ مثلاً چوری نہ کرنا، اور پڑوسی کے خلاف گواہی نہ دینا اس کے گھر اس کی بیوی اور اس کے مملوکات کے متعلق لالچ نہ کرنے کے جو احکام ہیں، سوچنے کی بات ہے کہ جب مالی لین دین میں ناپ تول تک کی کمی کو قرآن برداشت نہیں کرسکتا۔ تو چوری اور لالچ کے ذریعہ دوسرے کے مال پر قبضہ کرنے کی اجازت کیسے دے سکتا ہے، اسی طرح بے جانے کسی بات کے پیچھے پڑنے کی قرآن جب ممانعت کر رہا ہے تو بے جانے جھوٹی گواہی تو بدرجہ اولیٰ اس ممانعت کا لازمی اقتضائ ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ قرآنی احکام میں جو منطقی ترتیب پائی جاتی ہے یعنی پہلے تو خالق و مخلوق کے تعلق کو مسئلہ توحید کے ذریعہ واضح کیا گیا ہے،

خالق کے بعد ہمارے تعلقات ان سے پیدا ہوتے ہیں جن سے نکل کر دنیا میں ہم آتے ہیں یعنی والدین پھر وہ لوگ ہیں جو ہمارے ساتھ پیدا ہوتے ہیں جن میں مقدم رشتہ داروں کا طبقہ ہے پھر ان لوگوں کا جو ہمارے ہم عصر ہوتے ہیں ان کے بعد پھر وہ ہیں جو ہم سے پیدا ہوتے ہیں یعنی ہماری آئندہ نسلیں، دیکھئے کس ترتیب کے ساتھ چاروں تعلقات کے متعلق احکام دیے گئے ہیں

پھر ناموس (عزت و آبرو) کے بعد جان، جان کے بعد مال کے متعلق احکام ہیں یعنی زنار سے ممانعت کی گئی، زنار کے بعد قتل کی، قتل کے بعد مال کے سلسلے میں پہلے اہمیت یتیموں کے مال کو دی گئی اور اس کے بعد مالیات کے لین دین میں ناپ تول کی درستی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور زنا اور خون کی ممانعت دونوں میں مشترک ہے لیکن تورات میں براہ راست زنار سے روکا گیا ہے اور قرآن نے زنار ہی نہیں بلکہ زنار کے اسباب و مقدمات ہی سے بچنے کا مطالبہ کیا ہے اسی لئے بجائے لاتزنوا کے لا تقربوا الزناء کے الفاظ قرآن نے اختیار کئے ہیں اسی طرح قتل کی ممانعت کے ساتھ قاتل کے حقوق کی بھی حفاظت کی گئی ہے، عموماً مغرور قومیں یا اپنے آپ کو اونچی ذات کے سمجھنے والے لبا اوقات اپنی قوم کے ایک مقتول کے قصاص میں قاتل کے خاندان بلکہ کبھی

کبھی اس کی پوری قوم کو نیست و نابود کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں اور یہی قاتل کے ساتھ غیر قانونی اور غیر منصفانہ زیادتیوں کے لوگ عموماً عادی ہوتے ہیں ان ساری زیادتیوں کا بھی قرآن میں انسداد کیا گیا ہے آخر میں دو دفعات ایسے ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ دوسروں سے غلط اثر لے کر اس کے مطابق کارروائی بھی ناجائز ہے

اسی طرح جن لوگوں میں آدمی رہتا ہے ان میں ایسے اثرات قایم کرنا جن سے خواہ مخواہ ان کو تکلیف پہنچے اور غلط اقدامات پر وہ آمادہ ہو جائیں الغرض ناجائز بے بنیاد اثر لینا یا دوسروں میں قایم کرنا جو عموماً فساد و فتنہ کے اسباب بن جاتے ہیں ان ہی دونوں باتوں کو غور کیجئے (۹) اور (۱۰) والے دفعات میں ممانعت کی گئی ہے نویں حکم میں کہا گیا ہے کہ بے جانے کسی بات کے سننے یا دیکھنے کا دعویٰ ہو جانا، یا سنی اور دیکھی باتوں میں اپنے دل سے گھڑ کر اضافہ کر کے اسی کے مطابق عمل پر آمادہ ہو جانا ایسا نہ کرنا چاہئے بتلایا گیا ہے کہ سمع (شنوائی) بصر (بینائی) الفواد (دل) تینوں سے پوچھ گچھ ہوگی یہ قوتیں واقعات و حقائق کے جاننے کے لئے دی گئی ہیں نہ کہ ان کی طرف منسوب کر کے غلط اقدامات کے لئے قدرت نے ان نعمتوں سے آدمی کو سرفراز کیا ہے۔ اسی طرح دسویں حکم میں اس کی ممانعت جو کی گئی ہے کہ اترا کر زمین پر نہ چلو اس کا یہی تو حاصل ہے کہ بلا وجہ اپنی بڑائی کا اظہار دوسروں کے سامنے نہ کرو جس سے دوسروں میں اس کا احساس اور اثر پیدا ہو کہ تم ان کو حقیر و ذلیل سمجھتے ہو اس قسم کے طرز عمل سے جذبات برانگیختہ ہوتے ہیں اور شخصی خاندانی بلکہ عموماً بین الاقوامی فسادات کی تہ میں زیادہ تر اسی قسم کی چیزیں پوشیدہ ہوتی ہیں میرا تو خیال ہے کہ پچھلے چند سالوں میں ہندوستان کے آسمان نے فسادات کے جو خونیں اور آتشیں تماشے دیکھے تحلیل و تجزیہ سے معلوم ہوگا کہ زیادہ تر ان میں کارفرما کچھ اسی قسم کی چیزیں تھیں جن کی ابتدا میں لوگ پروا نہیں کرتے ایک قوم اکڑتی ہے اتراتی ہے اور نہیں سمجھتی کہ جن کے مقابلہ میں یہ اکڑ فونیاں دکھائی جا رہی ہیں اندر اندر کس قسم کی آگ ان کے اندر وہ سلگا اور بھڑکا رہے ہیں، پھر جب جذبات کے یہی آتشیں مادے پھٹ پڑتے ہیں تب کہتے ہیں کہ یہ

کیسے ہوا کیوں ہوا؟

بہرحال قرآن کے دس احکام اور جن ذیلی اجزا پر ان میں ہر حکم مشتمل ہے اس وقت ان پر تفصیلی بحث میرے پیش نظر نہیں ہے یہ فرض قرآن کے مفسروں کا ہے سردست میں اس تعلق کی روشنی میں جو تورات اور قرآن کے ان دس احکام میں پایا جاتا ہے سورۂ بنی اسرائیل کے ان خاص مضامین ومشتملات کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں جن کے صحیح مفاد کو اس تعلق کے پیش نظر رکھے بغیر جہاں تک میرا خیال ہے سمجھنا آسان نہیں ہے۔ میں نے عرض کیا تھا تورات کے ان دس احکام کے آگے پیچھے جو کچھ بیان کیا گیا ہے پہلے اس کو پڑھئے اور پھر سوچئے کہ قرآن میں ان دس احکام کا ذکر کرتے ہوئے کیا کیا فرمایا گیا ہے، قرآنی بیانات کی قدر وقیمت اسی کے بعد انشاء اللہ معلوم ہوگی ایک خاص ترتیب کے ساتھ اپنے منشاء کو پیش کرتا ہوں۔

(۱) حضرت موسیٰ کو دس احکام جب دئے گئے، تو تورات میں ہے کہ خداوند خدا نے موسیٰ سے کہا کہ میں بنی اسرائیل کے سامنے براہ راست باتیں کرنا چاہتا ہوں اس لئے حکم دیا گیا کہ

"لوگوں کے پاس جا، اور آج اور کل ان کو پاک کر اور وہ اپنے کپڑے دھولیں اور تیسرے دن تیار رہیں کیونکہ خداوند تیسرے دن سب لوگوں کے دیکھتے دیکھتے کوہ سینا پر اترے گا۔"

حکم کی تعمیل کی گئی لکھا ہے کہ

"جب تیسرا دن آیا تو صبح ہوتے ہی بادل گرجنے اور بجلی چمکنے لگی اور پہاڑ پر کالی گھٹا چھا گئی اور قرنا کی آواز بہت بلند ہوئی اور سب لوگ ڈیروں میں کانپ گئے، اور موسیٰ لوگوں کو خیمہ گاہ سے باہر لایا کہ خدا سے ملائے اور وہ پہاڑ سے نیچے آکر کھڑے ہوئے۔"

اس کے بعد تورات کے خداوند خدا کا ظہور بنی اسرائیل کے لئے لکھا ہے کہ بایں شکل ہوا یعنی

"کوہ سینا اوپر سے نیچے تک دھوئیں سے بھر گیا کیونکہ خداوند شعلہ میں ہو کر اس پر اترا اور دھواں تنور کے دھوئیں کی طرح اوپر کو اٹھ رہا تھا اور وہ سارا پہاڑ زور زور سے ہل رہا تھا، اور جب قرنا کی آواز نہایت

ہی بلند ہوئی تو موسیٰ بولنے لگا اور خدا نے آواز کے ذریعہ سے اسے جواب دیا۔"

یہ توتورات کے خداوند خدا کے ظہور کی شکل بیان کی گئی ہے، اب سنئے موسوی معراج کا حال یعنی چڑھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام خدا کے پاس کس طرح گئے اور کہاں گئے، آگے اسی کے لئے

"خداوند کوہ سینا کی چوٹی پر اترا، اور خداوند نے پہاڑ کی چوٹی پر موسیٰ کو بلایا سو موسیٰ اوپر چڑھ گیا"

صحرائے سینا جو بقول بائبل کے جغرافیہ نویسوں کے

"ریگستانی زمین کا ایسا چوڑا چپٹا مسطح ٹکڑا نہیں ہے بلکہ یہ زمین چٹانوں اور ٹیلوں سے پر ہے"

اور جس مقام پر بنی اسرائیل نے خیمہ نصب کیا تھا، کہتے ہیں کہ

"اس جگہ پہاڑ بھیانک بلند، اور ننگے نظر آتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ گرانٹ اور پارفری اور سینڈ اسٹون کی چٹانوں سے بھرا ہوا ہے"

تاہم اس وقت تک صحیح طور پر وہ چوٹی متعین نہیں ہو سکی ہے جس پر حضرت موسیٰ نے چڑھ کر خدا سے ان احکام کو حاصل کیا تھا ڈاکٹر رامنیس صاحب جو کوہ سینا کے ارد نیز سروے کے کارپرداز تھے ان کی رائے میں آج کل صحرا کے عرب بدو جس چوٹی کو راس الصفصافہ کہتے ہیں اور جس کی بلندی پانسو فٹ کے قریب ہے "معراج موسوی" کے لئے ان کو زیادہ موزوں معلوم ہوتی ہے لیکن عام طور پر جبل موسیٰ کے نام سے اس علاقہ میں جو سلسلہ پہاڑوں کا پایا جاتا ہے، ان میں بقول بلیکی صاحب

"بارہ سو فٹ سے پندرہ سو فٹ تک عمود کی طرح اونچی چلی گئی ہے۔" صفحہ ۱۳۴ (رائے مینول آف بائبل ہسٹری)

بہرحال پانسو سے پندرہ سو فٹ تک کی بلندی تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی چڑھائی کی انتہا مذکورہ بالا جغرافیائی تحقیقات کی بنیاد پر ہو سکتی ہے ۔ کیونکہ بلیکی صاحب ہی نے یہ بھی لکھا ہے کہ

"ان میں سے یعنی کوہستان سینا کی بلند چوٹیوں میں سے ہر ایک کی نسبت یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ وہی بائبل کا کوہ سینا ہے۔" صفحہ ۱۳۲

بہرحال تورات کے دس احکام کو دینے کے سلسلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معراج

یا چڑھائی جس چوٹی پر بھی ہوئی ہو لیکن توراۃ میں آگے لکھا ہے کہ

"وہ لوگ (یعنی بنی اسرائیل) دور ہی کھڑے رہے اور موسیٰ اس گہری تاریکی کے نزدیک گیا جہاں "خدا" تھا (خروج ۲۰-۲۱)

آگے مجھے جو کچھ کہنا ہے اسے تو انشاء اللہ آپ سنیں ہی گے، سر دست یہ سوچئے کہ توراۃ کے ان دس احکام کے سلسلے میں خدا کی طرف جو باتیں منسوب کی گئیں ہیں اگر واقعی یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صحیح کتاب کی باتیں ہیں اور اس لحاظ سے یہ دھواں۔ آگ یہ نرسنگھے (قرنا)، کی آواز۔ "گہری تاریکی جہاں خدا تھا" ان سے یہودیوں میں حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی تقدس و بے مثل ذات کے متعلق جو ناقص خیالات اور عقائد پیدا ہو گئے یہاں تک کہ آدمی کی طرح ایک مجسم وجود بن کر اسرائیلیوں کا خدا رہ گیا اور اس کے مقابلہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ دس احکام کا ذکر قرآن کی جس سورہ میں پایا جاتا ہے اس کی ابتدا ہی "واقعہ اسرار" یعنی صاحب قرآن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کے بیان سے کرتے ہوئے، یہ فرمایا گیا ہے

ترجمہ جس کا یہ ہے کہ پاک ہے وہ جو لے گیا اپنے بندے کو رات میں "المسجد الحرام" سے "المسجد الاقصیٰ" کی طرف برکت بخشی ہم نے جس کے ارد گرد کو، تاکہ دکھائیں ہم اس بندے کو، اپنی نشانیاں، بے شک وہ سننے والا دیکھنے والا ہے"

پاک ہے یہ سبحان کے عربی لفظ کا ترجمہ کیا گیا ہے جو دراصل خالق کائنات کی تنزیہ و تقدیس کی گویا اصطلاحی تعبیر ہے کیا توراۃ کے دس احکام والی موسوی معراج سے جو غلط فہمیاں پیدا ہو سکتی ہیں ان سے قرآن کے اس اشارے کو بے تعلق ٹھہرانے کی کوئی وجہ ہو سکتی ہے پھر یہی نہیں بلکہ ذات حق کی صفت کہ وہ ہمہ بینائی وہمہ شنوائی ہے یعنی "ھو السمیع البصیر" کے الفاظ کا جو مفاد ہے کیا اس سے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ بندے اور خدا کے درمیان رابطہ پیدا کرنے کے لئے اسے جانے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ تو ہر جگہ سے سنتا ہے اور ہر چیز کو دیکھ رہا ہے اس کی شنوائی اور بینائی کے احاطہ سے کوئی چیز یا کوئی جگہ باہر نہیں ہے۔ اسی لئے

"اسراء" کا مقصد خدا سے ربط قایم کرنا یا بات کرنا نہیں بیان کیا گیا ہے بلکہ اپنی نشانیوں اور آیات کو دکھانے کے لئے اسراء (رات کا سفر) کرایا گیا۔ وہ نشانیاں کیا تھیں جہاں تک میرا خیال ہے اسی کی طرف اشارہ من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ (مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف جس کے اردگرد کو برکت بخشی تھی ہم نے) کے الفاظ میں عملاً کیا گیا ہے۔

مطلب یہ ہے قرآن ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ خالق سے بندوں کا رشتہ قایم کرنے کے لئے پہلا گھر (اول بیت) جو زمین پر بنایا گیا وہ یہی "المسجد الحرام" ہے اسی "المسجد الحرام" یعنی دین و مذہب کے سب سے پہلے ابتدائی مرکز سے سفر شروع ہوا ظاہر ہے کہ اس کے بعد کرۂ زمین پر آدم کی اولاد پھیل گئی، اور جیسے جیسے ضرورت پیش آتی رہی زمین کے مختلف حصوں میں دیانات و رسالات کے مراکز قایم ہوتے رہے، تاآنکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پانسو برس پیشتر آخری مقامی مرکز انسانی زندگی کے دینی پہلو کے متعلق دیکھا گیا تھا کہ وہی جگہ ہے جہاں "مسجد الاقصیٰ" پائی جاتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس کا حاصل بجز اس کے اور کیا ہوا کہ نبوت عامہ و کاملہ سے پہلے جو کچھ کھولا اور بنایا گیا تھا اور المسجد الحرام کے پہلے گھر سے "المسجد الاقصیٰ" کے آخری دینی مرکز سے تعلق رکھنے والے انبیاء و رسل کو جو کچھ دکھایا گیا تھا، نبوتوں کے ختم کرنے والے "النبی الخاتم" صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کی سیر کرائی گئی اور ان میں سے ہر ایک چیز کے مشاہدے کا موقعہ قدرت کی طرف سے آپؐ کے لئے فراہم کیا گیا گویا یوں سمجھئے کہ "المسجد الحرام" اور "المسجد الاقصیٰ" کے درمیان نبوتوں کی جو پوری تاریخ بند تھی قرآن نے اسی طویل و عریض تاریخ کی طرف ابتداء اور انتہا اول و آخر کے دونوں نقاط کا ذکر کر کے گویا اشارہ کیا ہے۔

؂ معراج کی حدیثوں کے تفصیلی بیانات جہاں تک میرا خیال ہے اسی قرآنی اشارے کی شرح و تفسیر میں گذشتہ انبیاء و رسل پر غیب کے منازل و مقامات جتنے کھولے گئے تھے اور ان کے عہد کی صلاحیتوں مقامی و زمانی ضرورتوں کے حساب سے ان کو جو کچھ بتایا گیا تھا سب کا مکاشفہ "اسراء" کے واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرایا گیا۔
(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

اور بارکنا حولہ (برکت بخشی ہم نے اس کے اردگرد) اس میں بارکنا کا صیغہ چونکہ ماضی کا ہے اس سے بظاہر ادھر بھی ایمار کر دیا گیا کہ "المسجد الاقصٰے" کے نواح وادی سینا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے "احکام عشرہ" کو دیتے ہوئے جو مشاہدات ہوئے تھے یہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے برکت بخشیوں کی ایک شکل تھی" ان بورک من فی النار ومن حولھا (برکت رکھتا ہے جو آگ میں ہے اور جو اس کے آس پاس ہے) (سورۂ نمل ع ۱)

قرآن ہی کی دوسری آیت میں اسی کا اعادہ بھی کیا گیا" الغرض صوفیہ کی اصطلاح میں یہ خدائے قدوس وسبوح، برتر از قیاس وخیال وگمان ووہم کی تجلی کی ایک شکل ہوتی ہے نہ یہ کہ العیاذ باللہ خدا آگ یا دھواں یا تاریکی بن جاتا ہے یا وہ آگ، دھوئیں تاریکی میں رہتا ہے اور اس کی ذات ان مخلوقات سے محدود ہے اسی لئے سورۂ نمل والی اسی آیت کے آخر میں (سبحان اللہ رب العالمین (پاک ہے اللہ جہانوں کا پالنے والا) کے الفاظ سے حق تعالیٰ کی تنزیہی شان کا بھی اظہار کر دیا گیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ توراۃ کے دس احکام اور ان احکام کی سپردگی کے وقت "معراج موسوی" کے متعلق عہد عتیق کی ان کتابوں میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں، ان کو پیش نظر رکھنے کے بعد قرآن کے احکام عشرہ والی سورت کے ان ابتدائی فقرات یا آیتوں کا مطلب بالکل واضح ہو جاتا ہے اور ہر لفظ کی قدر وقیمت کا صحیح اندازہ ہوتا ہے ورنہ یوں تو خدا کا کلام خدا ہی کا کلام ہے مومن ہونے کے بعد جو بھی اس کو پڑھتا ہے اپنے اپنے ظرف اور معلومات کے لحاظ سے مستفید بھی ہوتا ہے۔ افسوس ہے کہ طوالت کے خوف سے بہت سے نکات جو اسی نقطہ نظر سے سمجھ میں آسکتے ہیں، میں قلم انداز کر رہا ہوں، تفصیل کا صحیح مقام قرآن کی تفسیر میں مل سکتا ہے اس مقالہ کی حد تک

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) باقی دوسرے امتیار درسل کے سوا آپ جن مدارج ومراتب خصوصی سے سرفراز ہوتے خود آپ ہی کی ذات مبارک کے ساتھ مختص تھیں اس لئے ان کا ذکر جیسا کہ خواجہ حسن بصری جیسے بزرگوں کا خیال ہے سورہ النجم کی آیتوں میں الگ کر کے کیا گیا ہے ۱۲

سورہ بنی اسرائیل کے ابتدائی الفاظ کے متعلق اتنی باتیں کافی ہیں۔ اب آیئے تورات میں دیکھئے کہ ان احکام عشرہ کو عطا کرنے کے بعد کیا کیا کہا گیا، اور کیا کیا کیا گیا۔ اس سے سورۂ بنی اسرائیل کے دوسرے مشتملات کے متعلق روشنی ملے گی۔

لکھا ہے کہ جب یہ دس احکام بنی اسرائیل کے حوالہ اس خاص شان کے ساتھ خدا کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام نے کر دیا تو اسرائیل کے لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ

"ہم نے دیکھ لیا کہ خداوند انسان سے باتیں کرتا ہے تو بھی انسان زندہ رہتا ہے، سو اب ہم کیوں اپنی جان دیں کیونکہ ایسی آگ ہم کو بھسم کر دے گی، اگر ہم خداوند اپنے خدا کی آواز پھر سنیں تو مر ہی جائیں گے"

یہ اور اسی قسم کی باتوں کے بعد انھوں نے موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی، کہ

"سو تو ہی نزدیک جا کر جو خداوند ہمارا خدا تجھ سے کہے اسے سن لے، اور تو ہی وہ باتیں جو خداوند ہمارا خدا تجھ سے کہے ہم کو بتانا اور ہم اسے سنیں گے اس پر عمل کریں گے" (استثناء - ۲۷)

اس معاہدے کے بعد اپنے خدا سے جو کچھ حضرت موسیٰ کو ملتا رہا علاوہ دس احکام کے پہنچاتے رہے، یہودی کہتے ہیں کہ وہی موسیٰ کی شریعت ہے اسی شریعت کو سپرد کرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے برکت اور لعنت دونوں باتوں کی پیشں گوئیوں کے ساتھ بنی اسرائیل کو دھمکایا تھا جن کا ذکر خروج، احبار، استثناء تین کتابوں میں الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ پایا جاتا ہے استثناء ۲۸ میں ہے۔

"اگر تو خداوند اپنے خدا کی بات جاں فشانی سے مان کر اس کے سب حکموں پر جو آج کے دن میں تجھ کو دیتا ہوں احتیاط کے ساتھ عمل کرے تو خداوند تیرا خدا دنیا کی سب قوموں سے زیادہ تجھ کو سرفراز کرے گا۔"

(باقی آئندہ)

مختار بن ابی عبید الثقفی

از

(ڈاکٹر خورشید احمد فارق ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی)

ابتدائے اسلام میں طائف کی پہاڑی بستی سے بہت سے فاتح، حکمراں اور ڈپلومیٹ پیدا ہوئے جن میں چار صف اول کے لوگ ہیں، مغیرہ بن شعبہ (متوفی سنہ ۵۰ھ) زیاد بن ربیہ (متوفی سنہ ۵۳ھ) مختار بن ابی عبید (متوفی سنہ ۶۷ھ) اور حجاج بن یوسف (متوفی سنہ ۹۵ھ)، مغیرہ بڑے فاتح ہی تھے ڈپلومیٹ بھی، ان کا شمار پہلی صدی ہجری کے چار سیاسی مدبروں میں کیا جاتا ہے[۱] ان سیاسی مدبروں میں زیاد بھی شامل ہے مختار اور حجاج نہیں، زیاد تدبیر حکومت اور سیاسی سمجھ بوجھ میں اتنا قابل تھا کہ معاویہ (تیسرے سیاسی مدبر) جیسے دانا حکمراں نے اس کو برملا اپنا سگا بھائی بنا لیا گو کہ بالعموم وہ ایک غلام عبید کا لڑکا خیال کیا جاتا تھا خلافت کا مشرقی حصہ جس کا مرکز بصرہ اور کوفہ کی فوجی بستیاں تھیں اور جہاں قبائلی شورش اور نفسانی فتنوں کا بازار گرم تھا۔ محض اس کی قابلیت، معاملہ فہمی اور فراست سے نو دس برس تک استوار رہا۔ حجاج بن یوسف کی شخصیت بھی نہایت اہم ہے گو کہ بعض خاص حالات کی بنا پر اس کا نام ظالم و سفاک کے مترادف ہو گیا ہے اس میں حکومت اور تدبیر کے بڑے جوہر تھے اور جن قبائلی افتراق انگیز، فتنہ پرور اور حکومت سوز حالات میں اس نے بصرہ اور کوفہ کی قیادت سنبھالی اس میں تشدد اور انتہائی تشدد کے بغیر شاید امن قائم ہونا محال تھا یہ تینوں اپنی تدبیری لیاقت کے علاوہ گفتگو اور خطابت کے لئے بھی نہایت مشہور ہیں مغیرہ کی فصاحت اس پایہ کی تھی کہ خلفائے اول اور فوجی کمانڈروں کی طرف سے غیر عرب بادشاہوں کے دربار میں سفارتی اور تبلیغی فرائض انجام دینے کے لئے ان کو چنا جاتا تھا اور

(۱) استیعاب حاشیہ اصابہ ۳/۳۴۹

زیاد کی دل موہ لینے والی معجز بیانی کے نمونے تو ادب کی بہت سی کتابوں میں موجود ہیں حجاج کا شمار بھی چوٹی کے مقرروں میں ہوتا ہے اس کی تقریروں میں سنگلاخ کی سی سختی اور طوفان و گرج کا سا جلال تھا یہ دونوں یعنی زیاد اور حجاج محض اپنی ذاتی قابلیت کی بنا پر چمکے۔ زیاد کی ماں تو یقیناً باندی تھی اور باپ بھی بقول اکثر غلام تھا اور حجاج کا باپ طائف میں بچے پڑھاتا تھا، ان میں سے کسی کے پاس نہ خاندانی عظمت تھی نہ دنیاوی وجاہت جو عربوں کی نظر میں حکومت واقتدار کے لوازمِ اولین تھے۔

پہلی صدی ہجری میں بہت سے حکمراں مقرر اور مدبر ہم کو ملتے ہیں لیکن مغیرہ، زیاد، حجاج اور مختار (جو حجاج کا ہم زلف بھی تھا) میں سے ہر ایک اپنے سیاسی کردار اور اپنے تدبیری اجتہاد میں خاص اپچ اور اچھوتے پن کے ساتھ ہمارے سامنے آتا ہے یہ اپچ یہ اچھوتا پن ایک اعتبار سے مختار میں سب سے زیادہ نمایاں ہے اس کا سیاسی کردار اور تدبیری اجتہاد تاریخ عرب یا پہلی صدی ہجری کی سیاسی، اجتماعی اور اقتصادی کشمکش میں ایک مخصوص حیثیت رکھتے ہیں وہ ہمارے سامنے نہ صرف یہ کہ ایک روشن خیال حکمراں، ولولہ انگیز مقرر، پختہ کار ڈپلومیٹ کی حیثیت سے آتا ہے بلکہ ماہرِ نفسیات النسانی، مذہبی بہروپیے اور اہل بیت کی ایک خاص تحریک یعنی فرقہ کیسانیہ کے علمبردار کی حیثیت سے بھی وہ اپنے تینوں معاصروں کی طرح نہایت بلند حوصلہ ہے قصرِ امارت کی شان و شوکت، منبروں کی حکومت اور فوجوں کی قیادت چاہتا ہے اس نے تیرہ برس کی عمر سے (وہ ۱ھ میں پیدا ہوا) ساٹھ سال کی عمر تک متعدد خلفاء گورنروں اور فوجی افسروں کے ساتھ یا قریب رہ کر ان کے طور طریق، اور شخصی و سیاسی طرزِ عمل کا مطالعہ کیا تھا، مکہ اور مدینہ سے اس کا گہرا ربط تھا اور کوفہ میں تو اس نے مستقل اقامت اختیار کر لی تھی جو ۳۶ھ سے ۴۰ھ تک حضرت علیؓ کی متزلزل خلافت کا پایۂ تخت تھا ایک طرف کوفہ شیعوں اور اہل بیت کے حامیوں کا سب سے بڑا گڑھ تھا دوسری طرف حجاز کے بہت سے قبیلوں کا فوجی اڈہ جہاں وہ ایران کی ابتدائی لڑائیاں جیت کر فتح کے نشہ میں سرشار ۱۷ھ میں مستقل طور پر آباد ہو گئے تھے اور جہاں

کنیزوں سے بے قید تمتع نے ان کی آبادی بہت بڑھا دی تھی۔

مختار کے دل کی امنگ باسٹھ سال کی عمر تک پوری نہ ہو سکی کوفہ کے فتنہ پرور قبائلی ماحول میں اس سے پہلے کبھی اس کے نخل آرزو کو بار آور ہونے کا موقعہ نہ ملا لیکن وہ خاموش و چوکنا حالات کے دھارے کا گہرا مطالعہ کرتا اور وہ بنیادیں استوار کرتا رہا جن پر موقع ملنے کی صورت میں اس کو اپنی حکومت اور پالیسی کی عمارت اٹھانا تھی۔ آخر کار ۶۰ھ کے بعد اس کو یہ موقع ملا جیسا کہ ہم دیکھیں گے حضرت حسینؓ کے قتل (کربلا) کے بعد کوفہ میں ایسا ماحول پیدا ہو گیا جس میں وہ اپنے ابھرنے کی طوفانی خواہشوں کو پروان چڑھا سکا ۶۵ھ میں وہ قصرِ امارت کا مالک تھا ممبروں کی حکومت اس کے ہاتھوں میں تھی، فوجوں کی کمان اعلیٰ کا اختیارِ مطلق اس کو حاصل تھا ایک بڑی حکومت عراق ایران کے صوبوں پر مشتمل اس کے زیر نگیں تھی جس پالیسی پر عمل کر کے اس نے قوت و اقتدار حاصل کیا اس کی بنیادیں تین موٹے موٹے اصولوں پر قائم تھیں (۱) اہل بیت کی حمایت اور ان کے قتل کا انتقام جس کی پرزور تحریک ان دنوں کوفہ میں چلی ہوئی تھی جیسا کہ ہم آگے دیکھیں گے۔

(۲) موالی یعنی آزاد کردہ غلاموں اور غلاموں کے ساتھ حسنِ سلوک جو عربوں کے سیاسی واجتماعی استبداد کے پنجے میں بری طرح دبے ہوئے تھے اور عربوں کی بجائے جو نہایت ناقابل اعتماد تھے موالی اور غلاموں پر اعتماد۔

(۳) مذہبی بہروپ یعنی عربوں اور بالخصوص موالی اور غلاموں کی مذہبی عقیدت حاصل کرنے اور ان کے دل میں اس تقدس اور معصومیت کا احساس پیدا کرنے کے لئے جو نبی، کاہن یا مافوق الانسان ہستی کے تصور سے پیدا ہوتا ہے وہ (مختار) خاص خاص موقعوں پر کاہنوں کی پرجلال مسجع گفتگو یا قرآنی آیات کی سی الہامی زبان استعمال کرتا اور اپنے طرز عمل سے ظاہر کرتا کہ اس کو غیب کی باتیں وحی یا کسی دوسرے طریقہ سے معلوم ہو جاتی ہیں نیز یہ کہ اس کی حیثیت ایک مامور معصوم یا روحانی لیڈر کی سی ہے۔ غیر عرب خاص طور پر جو سریع الاعتقاد ہوتے اور جو عربوں کو